غلام عباس

(1909ء-1982ء)

اوور کوٹ

جنوری کی ایک شام کو ایک خوش پوش نوجوان ڈیوس روڈ سے گزر کر مال روڈ پر پہنچا اور چیرنگ کراس[1] کا رخ کر کے خراماں خراماں پٹڑی پر چلنے لگا۔ یہ نوجوان اپنی تراش خراش سے خاصا فیشن ایبل معلوم ہوتا تھا۔ چمکتے ہوئے بال، باریک باریک مونچھیں گویا سرمے کی سلائی سے بنائی گئی ہوں، بادامی رنگ کا اوورکوٹ پہنے ہوئے جس کے کاج میں شربتی رنگ کے گلاب کا ایک آدھ کھلا پھول اٹکا ہوا، سر پر سبز فیلٹ ہیٹ ایک خاص انداز سے ٹیڑھی رکھی ہوئی، سفید سلک کا گلوبند گلے کے گرد لپٹا ہوا، ایک ہاتھ کوٹ کی جیب میں، دوسرے میں بید کی ایک چھوٹی چھڑی پکڑے ہوئے جسے کبھی کبھی وہ مزے میں آ کے گھمانے لگتا تھا۔

یہ ہفتے کی شام تھی۔ بھرپور جاڑے کا زمانہ۔ سرد اور تند ہوا کسی تیز دھات کی طرح جسم پر آ آ کے لگتی تھی مگر اس نوجوان پر اس کا کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا تھا۔ لوگ خود کو گرم کرنے کے لیے تیز تیز قدم اٹھا رہے تھے مگر اسے اس کی ضرورت نہ تھی جیسے اس کڑکڑاتے جاڑے میں اسے ٹہلنے میں بڑا مزا آ رہا ہو۔

اس کی چال ڈھال سے ایسا بانکپن ٹپکتا تھا کہ تانگے والے دور ہی سے دیکھ کر سرپٹ گھوڑا دوڑاتے ہوئے اس کی طرف لپکتے مگر وہ چھڑی کے اشارے سے ''نہیں'' کر دیتا۔ ایک خالی ٹیکسی بھی اسے دیکھ کر رکی مگر اس نے ''نو تھینک یو'' کہہ کر اسے بھی ٹال دیا۔

جیسے جیسے وہ مال کے زیادہ بارونق حصے کی طرف پہنچتا جاتا تھا اس کی چونچالی بڑھتی ہی جاتی تھی۔ وہ منہ سے سیٹی بجا کے رقص کی ایک دھن نکالنے لگا۔ ایک دفعہ جب آس پاس کوئی نہیں تھا تو یک بارگی کچھ ایسا جوش آیا کہ اس نے دوڑ کر جھوٹ موٹ بال دینے کی کوشش کی گویا کرکٹ کا میچ ہو رہا ہے۔

راستے میں وہ سڑک آئی جو لارنس گارڈن[2] کی طرف جاتی تھی مگر اس وقت شام کے دھندلکے اور سخت کہرے میں اس باغ پر کچھ ایسی اداسی برس رہی تھی کہ اس نے ادھر کا رخ نہ کیا اور سیدھا چیرنگ کراس کی طرف چلتا رہا۔

اس نے اپنا رومال نکالا جسے جیب میں رکھنے کے بجائے اس نے کوٹ کی بائیں آستین میں اُڑس رکھا تھا اور ہلکے ہلکے چہرے پر پھیرا تا کہ کچھ کچھ گرد جم گئی ہو تو اتر جائے۔ پاس ہی گھاس کے ایک ٹکڑے پر کچھ بچے ایک بڑی سی گیند سے کھیل رہے تھے۔ وہ بڑی دلچسپی سے ان کا کھیل دیکھنے لگا۔ بچے کچھ دیر تک اس کی پروا کیے بغیر کھیل میں مصروف رہے مگر جب وہ برابر تکے ہی چلا گیا تو وہ رفتہ رفتہ

---

[1] Chairing Cross پنجاب اسمبلی ہال کے سامنے لاہور کا ایک مشہور چوک۔

[2] Lawrence Garden لاہور کا ایک معروف باغ جسے آج کل ''باغِ جناح'' کہتے ہیں۔

شرمانے سے لگے اور پھر اچانک گیند سنبھال کر، ہنستے ہوئے اور ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے ہوئے گھاس کے اس ٹکڑے ہی سے چلے گئے۔

نوجوان کی نظر سیمنٹ کی ایک خالی بنچ پر پڑی اور وہ اس پر آ کے بیٹھ گیا۔ اس وقت شام کے اندھیرے کے ساتھ ساتھ سردی اور بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کی یہ شدت ناخوشگوار نہ تھی۔

مال روڈ پر موٹروں اور بائیسکلوں کا تانتا بندھا ہوا تو تھا ہی پٹڑی پر چلنے والوں کی بھی کثرت تھی۔ علاوہ ازیں سڑک کی دو رویہ دکانوں میں خرید و فروخت کا بازار بھی گرم تھا۔ جن کم نصیبوں کو نہ تفریحِ طبع کی اِستطاعت تھی نہ خرید و فروخت کی وہ دور ہی سے کھڑے کھڑے ان تفریح گاہوں اور دکانوں کی رنگا رنگ روشنیوں سے جی بہلا رہے تھے۔

نوجوان سیمنٹ کی بنچ پر بیٹھا اپنے سامنے سے گزرتے ہوئے زن و مرد کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر ان کے چہروں سے کہیں زیادہ ان کے لباس پر پڑتی تھی۔ ان میں ہر وضع اور ہر قماش کے لوگ تھے۔ بڑے بڑے تاجر، سرکاری افسر، لیڈر، فن کار، کالجوں کے طلبہ اور طالبات، نرسیں، اخباروں کے نمائندے، دفتروں کے بابو زیادہ تر لوگ اوورکوٹ[2] پہنے ہوئے تھے۔ ہر قسم کے اوورکوٹ، قراقلی کے بیش قیمت اوورکوٹ سے لے کر خاکی پٹی کے پرانے فوجی اوورکوٹ تک جنھیں نیلام میں خریدا گیا تھا۔

نوجوان کا اپنا اوورکوٹ تھا تو خاصا پرانا مگر اس کا کپڑا خوب بڑھیا تھا۔ پھر وہ سلا ہوا بھی کسی ماہر درزی کا تھا۔ اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کی بہت دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ کالر خوب جما ہوا تھا۔ بانہوں کی کریزیں بڑی نمایاں، سلوٹ کہیں نام کو نہیں، بٹن سینگ کے بڑے بڑے چمکتے ہوئے۔ نوجوان اس میں بہت مگن معلوم ہوتا تھا۔

ایک لڑکا پان بیڑی سگریٹ کا صندوقچہ گلے میں ڈالے سامنے سے گزرا۔ نوجوان نے آواز دی۔

''پان والا۔''

''جناب''

''دس کا چینج[1] ہے؟''

''ہے تو نہیں۔ لا دوں گا۔ کیا لیں گے آپ؟''

''نوٹ لے کے بھاگ گیا تو؟''

''اجی واہ! کوئی چور اچکا ہوں جو بھاگ جاؤں گا۔ اعتبار نہ ہو تو میرے ساتھ چلیے۔ لیں گے کیا آپ؟''

''نہیں نہیں ہم خود چینج لائیں گے۔ لو یہ اکنی نکل آئی۔ ایک سگریٹ دے دو اور چلے جاؤ۔''

لڑکے کے جانے کے بعد وہ سگریٹ کے کش لگانے لگا۔

ایک چھوٹی سی سفید رنگ کی بلی سردی میں ٹھٹھری ہوئی بنچ کے نیچے اس کے قدموں کے پاس آ کر میاؤں میاؤں کرنے لگی۔ اس

---

[1] Change۔ ریزگاری

نے پچکارا تو اچھل کر بنچ پر آ چڑھی۔ اس نے پیار سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور کہا ''پور لٹل سول[1]'' اب سات بج چکے تھے اور وہ مال کی پٹڑی پر پھر پہلے کی طرح مٹرگشت کرتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ ایک ریستوران میں آرکسٹرا[2] بج رہا تھا۔ اندر سے کہیں زیادہ باہر لوگوں کا ہجوم تھا۔ ان میں زیادہ تر موٹروں کے ڈرائیور، کوچوان، پھل بیچنے والے جو اپنا مال بیچ کے خالی ٹوکرے لیے کھڑے تھے، کچھ راہ گیر جو چلتے چلتے ٹھہر گئے تھے، کچھ مزدوری پیشہ لوگ تھے اور کچھ گداگر۔ نوجوان پل بھر کے لیے رکا اور پھر آگے بڑھ گیا۔

راستے میں ایک چھوٹا سا بک سٹال پڑا۔ نوجوان یہاں بھی رکا۔ کئی تازہ رسالوں کے ورق الٹے۔ رسالہ جہاں سے اٹھاتا بڑی احتیاط سے وہیں رکھ دیتا۔ اور آگے بڑھا تو قالینوں کی ایک دکان نے اس کی توجہ کو جذب کیا۔ مالک دکان نے، جو ایک لمبا سا چغا پہنے اور سر پر کلاہ رکھے تھا، گرم جوشی سے اس کی آؤ بھگت کی۔

''ذرا یہ ایرانی قالین دیکھنا چاہتا ہوں۔ اُتاریے نہیں، یہیں دیکھ لوں گا۔ کیا قیمت ہے اس کی؟''

''چودہ سو بتیس روپے۔''

''نوجوان نے اپنی بھنوؤں کو سکیڑا جس کا مطلب تھا ''اوہو اتنی!''

دکاندار نے کہا ''آپ پسند کر لیجیے۔ ہم جتنی بھی رعایت کر سکتے ہیں کر دیں گے۔''

''شکریہ، لیکن اس وقت تو میں صرف ایک نظر دیکھنے آیا ہوں۔''

''شوق سے دیکھیے۔ آپ ہی کی دکان ہے۔''

دو تین منٹ کے بعد اس دکان سے بھی نکل آیا۔ اس کے اوورکوٹ کے کاج میں شربتی رنگ کے گلاب کا جو اَدھ کھلا پھول اٹکا ہوا تھا۔ وہ اس وقت کاج سے کچھ زیادہ باہر نکل آیا تھا۔ جب وہ اس کو ٹھیک کر رہا تھا تو اس کے ہونٹوں پر ایک خفیف اور پراسرار مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے پھر اپنی مٹرگشت شروع کر دی۔

اب وہ ہائی کورٹ کی عمارتوں کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ اتنا کچھ چل لینے کے بعد بھی اس کی طبیعت کی چونچالی میں کچھ فرق نہیں آیا تھا، نہ تکان محسوس ہوئی تھی نہ اکتاہٹ۔ یہاں پٹڑی پر چلنے والوں کی ٹولیاں کچھ چھٹ سی گئی تھیں اور ان میں کافی فاصلہ رہنے لگا تھا۔ اس نے اپنی بید کی چھڑی کو ایک انگلی پر گھمانے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی اور چھڑی زمین پر گر پڑی۔ ''اوسوری[3]'' کہہ کر زمین پر جھکا اور چھڑی کو اٹھا لیا۔۔۔۔۔۔

نوجوان نے شام سے اب تک اپنی مٹرگشت کے دوران میں جتنی انسانی شکلیں دیکھی تھیں ان میں سے کسی نے بھی اس کی توجہ کو اپنی طرف منعطف نہیں کیا تھا۔ فی الحقیقت ان میں کوئی جاذبیت تھی ہی نہیں یا پھر وہ اپنے حال میں ایسا مست تھا کہ کسی دوسرے سے اسے سروکار ہی نہ تھا مگر ابھی اس نے آدھی ہی سڑک پار کی ہوگی کہ اینٹوں سے بھری ہوئی ایک لاری پیچھے سے بگولے کی طرح آئی اور

---

[1] Poor Little Soul۔ بے چاری ننھی سی جان

[2] Archestra۔ ساز

[3] Sorry۔ افسوس!

اسے روندتی ہوئی میکلوڈ روڈ[1] کی طرف نکل گئی۔ لاری کے ڈرائیور نے نوجوان کی چیخ سن کر پل بھر کے لیے گاڑی کی رفتار کم کی۔ وہ سمجھ گیا کہ کوئی لاری کی لپیٹ میں آ گیا اور وہ رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لاری کو لے بھاگا۔ دو تین راہ گیر جو اس حادثے کو دیکھ رہے تھے، شور مچانے لگے ''نمبر دیکھو، نمبر دیکھو۔'' مگر لاری ہوا ہو چکی تھی۔

اتنے میں کئی اور لوگ جمع ہو گئے۔ ٹریفک کا ایک انسپکٹر جو موٹر سائیکل پر جا رہا تھا رک گیا۔ نوجوان کی دونوں ٹانگیں بالکل کچل گئی تھیں۔ بہت سا خون نکل چکا تھا اور وہ سسک رہا تھا۔ فوراً ایک کار کو روکا گیا اور اسے جیسے تیسے اس میں ڈال کر ہسپتال روانہ کر دیا گیا جس وقت وہ ہسپتال پہنچا تو اس میں ابھی رمق بھر جان باقی تھی۔ اس ہسپتال کے شعبۂ حادثات میں اسسٹنٹ سرجن[2] مسٹر خان اور دو نوعمر نرسیں مس شہناز اور مس گل ڈیوٹی پر تھیں۔ جس وقت اسے سٹریچر[3] پر ڈال کے آپریشن روم[4] میں لے جایا جا رہا تھا تو ان نرسوں کی نظر اس پر پڑی۔ اس کا بادامی رنگ کا اوورکوٹ ابھی تک اس کے جسم پر تھا اور سفید سلک کا مفلر گلے میں لپٹا ہوا تھا۔ اس کے کپڑوں پر جا بجا خون کے بڑے بڑے دھبے تھے۔ کسی نے از راہِ دردمندی اس کی سبز فیلٹ ہیٹ اٹھا کے اس کے سینے پر رکھ دی تھی تا کہ کوئی اڑا نہ لے جائے۔

شہناز نے گل سے کہا ''کسی بھلے گھر کا معلوم ہوتا ہے بے چارہ۔''

گل دبی آواز میں بولی ''خوب بن ٹھن کے نکلا تھا بے چارہ۔''

''ڈرائیور پکڑا گیا یا نہیں؟''

''نہیں، بھاگ گیا۔''

''کتنے افسوس کی بات ہے۔''

آپریشن روم میں اسسٹنٹ سرجن اور نرسیں چہروں پر جراحی کے نقاب چڑھائے، جنھوں نے ان کی آنکھوں سے نیچے کے سارے حصے کو چھپا رکھا تھا، اس کی دیکھ بھال میں مصروف تھے۔ اسے سنگ مرمر کی میز پر لٹا دیا گیا۔ اس نے سر میں جو تیز خوش بودار تیل ڈال رکھا تھا اس کی کچھ کچھ مہک ابھی تک باقی تھی۔ پٹیاں ابھی تک جمی ہوئی تھیں۔ حادثے سے اس کی دونوں ٹانگیں تو ٹوٹ چکی تھیں مگر سر کی مانگ نہیں بگڑنے پائی تھی۔

اب اس کے کپڑے اتارے جا رہے تھے۔ سب سے پہلے سفید سلک کا گلوبند اس کے گلے سے اتارا گیا۔ اچانک نرس شہناز اور نرس گل نے بیک وقت ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اس سے زیادہ وہ کر بھی کیا سکتی تھیں۔ چہرے، جو دلی کیفیات کا آئینہ ہوتے ہیں جراحی کے نقاب تلے چھپے ہوئے تھے اور زبانیں بند۔

نوجوان کے گلوبند کے نیچے نکٹائی اور کالر تو کیا، سرے سے قمیص ہی نہیں تھی۔ اوورکوٹ اتارا گیا تو نیچے سے ایک بوسیدہ اونی سویٹر نکلا جس میں جا بجا بڑے بڑے سوراخ تھے۔ ان سوراخوں سے سویٹر سے بھی زیادہ بوسیدہ اور میلا کچیلا ایک بنیان نظر آ رہا تھا۔ نوجوان سلک کے گلوبند کو کچھ اس ڈھب سے گلے پر لپیٹے رکھتا تھا کہ اس کا سارا سینہ چھپا رہتا تھا۔ اس کے جسم پر مَیل کی تہیں بھی خوب چڑھی

---

[1] Mcleod Road۔ لاہور کی ایک مشہور سڑک جو ریلوے سٹیشن تک جاتی ہے۔

[2] Assistant Surgeon۔ معاون سرجن [3] Stretcher۔ جس پر لٹا کر مریض کو لے جاتے ہیں۔

[4] Operation Room۔ کمرا جہاں آپریشن کیے جاتے ہیں۔

ہوئی تھیں۔ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کم سے کم پچھلے دو مہینے سے نہیں نہایا۔ البتہ گردن خوب صاف تھی اور اس پر ہلکا ہلکا پوڈر لگا ہوا تھا۔ سویٹر اور بنیان کے بعد پتلون کی باری آئی۔ پتلون کو پیٹی کے بجائے ایک پرانی دھجی سے جو شاید کبھی نکٹائی[1] ہوگی خوب کس کے باندھا گیا تھا۔ بٹن اور بکسوئے غائب تھے۔ دونوں گھٹنوں پر سے کپڑا مسک گیا تھا اور کئی جگہ کھونچیں بھی لگی تھیں مگر چونکہ یہ حصے اوورکوٹ کے نیچے رہتے تھے اس لیے لوگوں کی ان پر نظر نہیں پڑتی تھی۔

اب بوٹ اور جرابوں کی باری آئی اور ایک مرتبہ پھر مس شہناز اور مس گل کی آنکھیں چار ہوئیں۔

بوٹ تو پرانے ہونے کے باوجود خوب چمک رہے تھے مگر ایک پاؤں کی جراب دوسرے پاؤں کی جراب سے بالکل مختلف تھی۔ پھر دونوں جرابیں پھٹی ہوئی بھی تھیں۔ اس قدر کہ ان میں سے نوجوان کی میلی میلی ایڑیاں نظر آ رہی تھیں۔

بلاشبہ اس وقت تک وہ دم توڑ چکا تھا۔ اس کا جسم سنگِ مرمر کی میز پر بے جان پڑا تھا۔ اس کا چہرہ جو پہلے چھت کی سمت تھا کپڑے اتارنے میں دیوار کی طرف مڑ گیا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ جسم اور اس کے ساتھ روح کی اس برہنگی نے اسے خجل کر دیا ہے اور وہ اپنے ہم جنسوں سے آنکھیں چرا رہا ہے۔

اس کے اوورکوٹ کی مختلف جیبوں سے جو چیزیں برآمد ہوئیں وہ یہ تھیں:

ایک چھوٹا سا سیاہ کنگھا، ایک رومال، ساڑھے چھے آنے، ایک بجھا ہوا آدھا سگریٹ، ایک چھوٹی سی ڈائری جس میں لوگوں کے نام اور پتے لکھے تھے، نئے گراموفون ریکارڈوں کی ایک ماہانہ فہرست اور کچھ اشتہار جو مٹر گشت کے دوران میں اشتہار بانٹنے والوں نے اس کے ہاتھ میں تھما دیے تھے اور اس نے انھیں اوورکوٹ کی جیب میں ڈال لیا تھا۔

افسوس کہ اس کی بید کی چھڑی جو حادثے کے دوران میں کہیں کھو گئی تھی، اس فہرست میں شامل نہ تھی۔

(جاڑے کی چاندنی)

---

[1] Necktie

مشق

1- افسانہ ''اوورکوٹ'' کا متن پیشِ نظر رکھتے ہوئے درج ذیل جملوں میں دیے گئے الفاظ میں سے درست لفظ کا انتخاب کر کے خالی جگہ پُر کریں:

i- جب وہ برابر............ چلا گیا تو رفتہ رفتہ وہ شرمانے سے لگے۔ (تکے، دیکھے، گھورے)

ii- نوجوان اپنی............ سے خاصا فیشن ایبل معلوم ہوتا تھا۔ (تراش خراش، صورت، شکل)

iii- نوجوان نے............ کو سکیڑا، جس کا مطلب تھا ''اوہو اتنی۔'' (بھنوؤں، ہونٹوں، کندھوں)

iv- اُس کے ہونٹوں پر ایک............ اور پُر اسرار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ (خفیف، لطیف، عجیب)

2- نیچے دیے گئے سوالات اور سبق ''اوورکوٹ'' کو پیشِ نظر رکھ کر درست جواب کے شروع میں ''✓'' لگائیں۔

i- افسانہ ''اوورکوٹ'' کا مصنف کون ہے؟

(ا) پریم چند (ب) افضل حق (ج) غلام عباس (د) ممتاز مفتی

ii- نوجوان نے ''اوورکوٹ'' کیوں پہن رکھا تھا؟

(ا) کیوں کہ اُس کے پاس کوئی اور لباس نہ تھا۔ (ب) کیوں کہ جاڑے کا موسم تھا۔

(ج) خوب صورت نظر آنے کے لیے۔ (د) اپنی اصلیت کو چھپانے کے لیے۔

iii- گلوبند اتارنے کے بعد نرسوں نے ایک دوسرے کی طرف کیوں دیکھا؟

(ا) کیوں کہ گلوبند بے حد خوب صورت تھا۔ (ب) کیوں کہ گردن پر گلوبند کا نشان تھا۔

(ج) کیوں کہ گلوبند پھٹ گیا تھا۔ (د) کیوں کہ گلوبند کے نیچے قمیص ہی نہ تھی۔

iv- نوجوان کی پتلون کیسی تھی؟

(ا) بالکل عام سی اور سادہ۔ (ب) پرانی اور جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی۔

(ج) نہایت شان دار۔ (د) پھٹی پرانی اور بکسوؤں کے بغیر۔

v- ''اوورکوٹ'' کا اختتام کس چیز کے ذکر پر ہوا؟

(ا) فیلٹ ہیٹ پر۔ (ب) بید کی چھڑی پر۔

(ج) اوورکوٹ پر۔ (د) گلوبند پر۔

vi- افسانہ نگار نے کس اوورکوٹ کو نیلام کا کہا؟

(ا) قراقلی اوورکوٹ کو۔ (ب) عوامی اوورکوٹ کو۔

(ج) خاکی پٹی والے اوورکوٹ کو۔ (د) خاکی پٹی کے پرانے فوجی اوورکوٹ کو۔

vii- سفید بلی دیکھ کر نوجوان نے کیا کہا؟

(ا) پورلل سول! (ب) نو، تھینک یو!

(ج) گڈ ایوننگ! (د) سوری!

viii- نوجوان کو حادثہ کس سڑک پر جاتے ہوئے پیش آیا؟

(ا) ڈیوس روڈ پر (ب) لارنس روڈ پر

(ج) مال روڈ پر (د) میکلوڈ روڈ پر

3- درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں جو تین سطروں سے زائد نہ ہوں۔

i- مٹر گشت کرنے والے نوجوان کا ظاہری حلیہ کیسا تھا؟

ii- افسانہ ''اوورکوٹ'' میں اوورکوٹ کن خصوصیات کا حامل تھا؟

iii- نوجوان نے اوورکوٹ کے علاوہ کیا کچھ زیب تن کر رکھا تھا؟

iv- نوجوان کے اوورکوٹ کی جیب سے کون کون سی چیزیں برآمد ہوئیں؟

v- افسانہ نگار نے ''اوورکوٹ'' میں کن سڑکوں کا ذکر کیا ہے؟ ان کے نام لکھیے۔

vi- اس افسانے میں انگریزی زبان کے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کے معنی لکھیں۔

4- افسانہ ''اوورکوٹ'' کا خلاصہ تحریر کریں جو اصل کے ایک تہائی سے زائد نہ ہو۔

5- مندرجہ ذیل الفاظ کے متضاد لکھیں:

شام، لمبی لمبی، باریک باریک، سرد، بارونق۔

6- اپنے کالج میں بزمِ ادب یا ٹیوٹوریل گروپ میں اپنے تحریر شدہ یا اپنے پسندیدہ افسانے فرداً فرداً پڑھ کر سنائیں۔

7- اپنے کالج میگزین کے لیے کوئی افسانہ لکھیں۔

8- غلام عباس کا افسانہ ''بہروپیا'' یا ''کتبہ'' پڑھیں اور اپنے تاثرات اپنی ڈائری میں لکھیں۔